

مکاتیب نبویؐ کا ادبی پہلو

پروفیسر ڈاکٹر خورشید الحسن رضوی ☆

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ فصاحت و بلاغت اہل عرب کا طرہ امتیاز تھا جس پر انہیں بہت ناز تھا۔ انہیں ان کے عجز کا احساس دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین، صلی اللہ علیہ وسلم، کو خاتم المعجزات یعنی قرآن حکیم عطا فرمایا جس کی فصاحت و بلاغت نے ان زباں آوروں کو گنگ کر دیا۔ چنانچہ قرآن نے لاکار کران سے کہا:

﴿وان كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا

شهداء کم من دون الله ان كنتم صدقین﴾ (۱)

”اور اگر تم اس چیز کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے کسی شک میں ہو تو پھر اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ سے ہٹ کر تمہارے جو گواہ ہوں انہیں بلاؤ، اگر تم سچے ہو“

اور ساتھ ہی یہ فرما کر اس امکان کی قطعیت کے ساتھ نفی کر دی کہ:

﴿فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس و الحجارة

اعدت للكافرين﴾ (۲)

”پھر اگر تم یہ نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے۔ تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“

معجزات انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں ایک نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس قوم کو جس چیز پر بہت ناز ہوتا ہے پیغمبر کے ہاتھوں اسی میں اس کے عجز کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی بے مثل

فصاحت و بلاغت کے حوالے سے قاضی ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی (م ۴۰۳ھ) اپنی مشہور تصنیف ”اعجاز القرآن“ میں فرماتے ہیں:

”حیرہم فیہ، إذ كان من جنس القول الذی زعموا أنهم ادرکوا فیہ
النهاية، و بلغوا فیہ الغایة، فعرّفوا عجزهم، كما عرف قوم عیسی نقصانهم فیما
قدروا من بلوغ أقصى الممكن فی العلاج، والوصول إلى أعلى مراتب الطب،
فجاءهم بما بهرهم من إحياء الموتی، و إبراء الأكمه و الأبرص، و كما أتى موسى
بالعصا التي تلقفت ما دققوا فیہ سحرهم.....“ (۳)

”اس کے بارے میں انہیں ورطہ حیرت میں ڈال دیا کیونکہ یہ اسی جنس کلام پر مشتمل تھا
جس کے متعلق انہیں زعم تھا کہ وہ اس کی غایت و انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ ان کا عجز انہیں معلوم ہو گیا
جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اپنا نقص اس میدان میں معلوم ہو گیا تھا جس میں ان کو ہر
ممکن حد تک قدرت حاصل ہو چکی تھی یعنی علاج معالجہ اور طب کے اعلیٰ مراتب تک رسائی۔ حضرت
عیسیٰ نے ان کے سامنے مردوں کو زندہ کرنے اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو شفا بخشنے کی وہ صورت پیش
کی کہ وہ ششدر رہ گئے یا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ عصا لائے جس نے ان کے جادو کو،
جس میں وہ بڑی باریکیوں تک پہنچ چکے تھے، اچک لیا.....“۔

زبان آوران عرب کسی کی بات اس وقت تک سننا گوارا ہی نہیں کرتے تھے جب تک اس کا
کلام اپنی قوت و شوکت سے ان کی سماعتوں کو بزور اپنی طرف مبذول نہ کر لے۔ چنانچہ ”العی“ یعنی
عجز بیان، ان کی نظر میں بہت بڑا عیب تھا۔ کامل متردیں بیان ہوا ہے کہ شعر میں وزن کو پورا کرنے
کے لیے بھرتی کے الفاظ لانا یا نثر میں سلسلہء کلام کو یاد رکھنے کے لیے بھرتی کے جملے ڈالنا مثلاً
”سنا آپ نے“ ”سمجھے آپ“ ”صاحب کس خیال میں ہیں“ وغیرہ، ان کے نزدیک عیب کلام تھا
جس کا نام ”استعانت“ تھا یعنی غیر متعلق چیزوں سے مدد لینا۔ گفتگو کے دوران انگلیوں کو توڑنا مروٹنا یا
داڑھی پر ہاتھ پھیرنا یا بار بار کھانسا کھانسا بھی اسی ذیل میں شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے ایک

مقرر کی بجو کرتے ہوئے کہا ہے:

مَلِيئِي بُهْرٍ وَ التَّفَاتِ وَ سُعْلَةٍ وَ مَسْحَةَ عُثْنُونٍ وَ قَتْلِ الْأَصَابِعِ (۴)
 ”بار بار اس کا سانس پھولنے لگتا ہے، مڑ کر ادھر ادھر دیکھتا ہے، کھانتا ہے داڑھی کھجاتا
 ہے اور انگلیوں کو بل دیتا ہے“

اس تمہید کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ یہ قوم جس کے نزدیک قدرتِ کلام ہی انسانی وقار کا سب سے بڑا پیمانہ تھا اور جس کی تادیبِ ذہنی کے لیے قرآن مجید جیسی بلیغ کتاب نازل فرمائی گئی اس قوم میں جس نبی آئی۔ فدائے ابی و امی۔ کو مبعوث کیا گیا اس کا طلاقِ لسانی اور فصاحتِ بیانی سے متصف ہونا کس قدر ناگزیر تھا۔ چنانچہ خالقِ انسان اور معلمِ بیان نے یہ اہتمام فرمایا کہ نبی عربی، صلی اللہ علیہ وسلم کو سب عربوں سے بڑھ کر فصاحتِ عطا کی۔ کلامِ الہی کے بعد عربی زبان میں فصاحتِ و بلاغت کا سب سے اونچا معیار حدیثِ نبوی کے وہ حصے ہیں جن میں روایت باللفظ کا اہتمام ممکن ہو سکا ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے اس حقیقت کا اظہار، بطور حدیثِ نعمت، ان الفاظ میں مروی ہے:

”أنا أفصح العرب ببدأني من قريش و نشأت في بني سعد“ (۵)

”میں عرب کا فصیح ترین فرد ہوں کہ میرا تعلق قریش سے ہے اور میری پرورش بنو سعد میں ہوئی“

جاہل نے کتاب البیان والتبيين میں بعض ایسے جملے نقل کئے ہیں (۶) جو پہلی بار آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے اور پھر ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئے مثلاً:

الآن حمى الوطيس

لا ينتطح فيه عنزان

لا يلسع المؤمن من جحر مرتين

پھر حضور کی فصاحت و بلاغت پر نہایت بلیغ گفتگو کی ہے اور آپ کے بعض ایسے فرمودات

نقل کیے ہیں جن میں کمالِ جامعیت کے ساتھ بہت کم الفاظ میں بہت وسیع معانی سمودیے گئے ہیں

مثلاً:

الناس كلهم سواء كاسنان المشط

المرء كثير باخيه

اليد العليا خير من اليد السفلى

اور یہی وہ فرمودات ہیں جو آنحضور کے قول ”اعطيت جوامع الكلم“ کی تفسیر ہیں۔ حضور ﷺ کی فصاحت و بلاغت کی یہ شان آپ کی احادیث، خطبات اور مکتوبات، سب میں نمایاں نظر آتی ہے۔ اس حقیر سی تحریر میں صرف آخر الذکر یعنی مکتوبات نبویؐ۔ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ کے ادبی پہلو کا ایک طائرانہ جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

دنیاے ادب میں تمام اہم شخصیات کے مکتوبات کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے کیونکہ ان میں ان شخصیات کی بہت گہری پرتیں کمال برجستگی سے سامنے آ جاتی ہیں۔ تاہم نبی امی ﷺ کے مکتوبات گرامی کی سطح بنیادی طور پر مکتوبات کی عمومی صنف سے الگ اور ممتاز ہے۔ آپؐ نے نہ کبھی ہاتھ میں قلم تھاما نہ محض ذاتی احوال کی تفصیل کے لیے خطوط لکھوائے اور نہ قدرتِ کلام کے مظاہرے کی غرض سے عبارت آرائی فرمائی۔ آپ کے خطوط انتہائی ضرورت کے تحت، بالعموم بہت مختصر، لیکن نہایت مؤثر پیرایہء بیان میں اظہارِ مطلب سے عبارت ہیں اور یہی اس عظیم ہستی کے شایانِ شان بھی ہے جس کا ہر لفظ قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول:

”تاریخ نے ایسے کوئی دو ڈھائی سو خط محفوظ کیے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے مختلف قبائلی

شیوخ، صوبہ جاتی افسروں، اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر فرمائے تھے“ (۷)

ڈاکٹر ثار احمد فاروقی نے یہ تعداد ڈھائی سو سے زائد (۸) اور مولانا سید محبوب رضوی نے تین

سو کے قریب بتائی ہے (۹) ان میں سے چھ مکتوبات اپنی اصل صورت میں دریافت بھی ہو چکے ہیں۔ ان کے بارے میں مشرق و مغرب کے محققین نے رق (Parchment) کی کیفیت، عربی رسم الخط کی

تاریخ ارتقاء، اور دیگر قرآن کے پیش نظر مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔ (۱۰) تاہم واضح رہے کہ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ کیا یہ دریافت شدہ چمڑے یا چھلی کے ٹکڑے جن پر یہ مکاتیب درج ہیں واقعی عین وہی ہیں جو آنحضرت ﷺ نے لکھوا کر ارسال فرمائے تھے یا بعد کے زمانے میں کسی نے مکاتیب نبویؐ کی عبارت ان پر نقل کر کے انہیں اصل دستاویز مشہور کر دیا۔ ورنہ جہاں تک مکاتیب نبویؐ کے متون کا تعلق ہے وہ مختلف روایات کے ساتھ، عہد بہ عہد، مشہور مصادیر علمی میں محفوظ چلے آ رہے ہیں۔

مثلاً:

محمد بن اسحاق	(م ۱۵۱ھ) کی	السیرۃ النبویۃ
امام ابو یوسف	(م ۱۸۲ھ) کی	کتاب الخراج
ابن سعد	(م ۲۳۰ھ) کی	الطبقات الکبریٰ
الجاحظ	(م ۲۵۵ھ) کی	البيان والتبيين
امام بخاری	(م ۲۵۶ھ) کی	الجامع الصحیح
امام مسلم	(م ۲۶۱ھ) کی	صحیح مسلم
البلاذری	(م ۲۷۹ھ) کی	فتوح البلدان
امام نسائی	(م ۳۰۳ھ) کی	کتاب السنن
ابن جریر طبری	(م ۳۱۰ھ) کی	تاریخ الامم والملوک
ابن عبد ربہ	(م ۳۲۸ھ) کی	العقد الفرید
ابو الفرج الاصفہانی	(م ۳۵۶ھ) کی	کتاب الاغانی
قاضی عیاض	(م ۵۴۴ھ) کی	الشفاء
سھیلی	(م ۵۸۱ھ) کی	الروض الأنف
یاقوت الحموی	(م ۶۲۶ھ) کی	معجم البلدان
عز الدین ابن الاثیر	(م ۶۳۰ھ) کی	”الکامل فی التاریخ“ اور ”اسد الغابۃ“

ضیاء الدین ابن الاثیر (م ۶۳۷ھ)	کی	المثل السائر
ابن قیم	(م ۷۵۱ھ)	کی زاد المعاد
القلقندی	(م ۸۲۱ھ)	کی صبح الاغشی
ابن حجر العسقلانی	(م ۸۵۲ھ)	کی الاصابة
ابن طولون	(م ۹۵۳ھ)	کی اعلام البائلین
ابو الحسن الحلبي	(م ۱۰۴۲ھ)	کی السيرة الحلیة
الزرقانی	(م ۱۱۲۲ھ)	کی شرح المواهب

مکاتیب نبوی کے ادبی پہلو پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بات ایک مرتبہ پھر دہرا دینی مناسب ہوگی کہ ان میں عام ذاتی اور نجی ادبی خطوط کی سی تفصیلات و جزئیات کی تلاش نہایت نامناسب ہوگی۔ ان مقدس مکاتیب میں اگر کچھ ایسے خطوط مل بھی جائیں جن کا موضوع ذاتی کہلا سکتا ہے تو ان کی سطح بھی ذاتی نہیں رکھی گئی بلکہ ان کے مندرجات کو عمومی و اجتماعی سطح تک اٹھا کر معیاری رویوں کی تلقین کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت معاذ بن جبل کے بیٹے کی وفات پر ان کے نام حضور ﷺ کا تعزیت نامہ جس کا متن یوں مروی ہے:

”من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل:

سلام علیک ، فانی أحمد إلیک الله الذی لا إله إلا هو ، أما بعد فعظم الله لك الأجر ، وألهمک الصبر ، و رزقنا وإیاک الشکر ، ثم إن أنفسنا و أهلینا و موالینا من مواهب الله السنية ، و عوارفه المستودعة ، نمتع بها إلى أجل معدود ، و تقبض لوقت معلوم ، ثم افترض علينا الشکر إذا أعطی ، و الصبر إذا ابتلی ، و کان ابنک من مواهب الله الهنية ، و عوارفه المستودعة ، متعک به فی غبطة و سرور ، و قبضه منک بأجر کثیر : الصلاة و الرحمة و الهدی ، إن صبرت و احتسبت . فلا تجتمعن علیک یا معاذ خصلتین : أن یحبط جزعک صبرک ، فتندم علی ما

فاتک ، فلو قدمت علی ثواب مصیبتک ، قد أطعت ربک ، و تنجزت مو عودہ ،
 عرفت أن المصیبة قد قصرت عنه ، و اعلم أن الجزع لا یرد میتا ، ولا یدفع حزنا ،
 فأحسن الجزاء و تنجز الموعود ، و لیذهب أسفک ما هو نازل بک فکأن
 قد“ (۱۱)۔

”اللہ کے رسول محمد کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام

سلام علیک ، میں تمہارے ساتھ اللہ کی حمد کرتا ہوں ، وہ کہ جس کے سوا ہرگز کوئی معبود نہیں
 اما بعد اللہ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور تمہارے دل کو صبر آشنا کرے اور ہمیں اور تمہیں توفیق شکر ازانی
 فرمائے۔ دیگر یہ کہ ہماری جانیں اور اہل و عیال اور دوست احباب سب اللہ کی بخشی ہوئی گراں قدر
 نعمتیں ہیں اور اس کے احسانات ہیں جو امانت کی صورت ہمارے پاس ہیں۔ ایک میعاد معین تک ہمیں
 ان سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا جاتا ہے اور ایک وقت مقرر پر وہ ہم سے لے لی جاتی ہیں۔ پھر یہ
 کہ اس نے ہم پر شکر لازم کیا ہے بصورت عطا اور صبر بصورت ابتلا۔ تمہارا فرزند بھی اللہ کی بخشی ہوئی
 انہی نعمتوں اور امانت جیسے احسانات میں سے ایک تھا۔ اللہ نے تمہیں اس کی خوشیاں دکھائیں اور پھر
 اجر کثیر، یعنی رحمت و ہدایت کے عوض اسے تم سے لے لیا بشرطیکہ تم صبر اختیار کرو اور اللہ سے اجر کی امید
 رکھو۔ سو اے معاذ، زہار دوہری محرومی نہ خرید لینا (یعنی محرومی اولاد اور محرومی ثواب) مبادا جزع فزع
 تمہارے صبر کو برباد کر دے اور بالآخر تمہیں اپنی محرومی پر ندامت ہو۔ اگر تمہاری توجہ اپنی مصیبت کے
 اجر کی طرف اس انداز میں رہی کہ تم اپنے پروردگار کی اطاعت میں لگے رہے اور اس کی جناب میں اسی
 کا وعدہ پورا فرمانے کی استدعا کرتے رہے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مصیبت اجر کے مقابلے میں کم
 تھی۔ یاد رکھو کہ رونے دھونے سے مرنے والا واپس نہیں آجایا کرتا اور نہ غم غلط ہوتا ہے سو خوبی جزاء
 کے لیے کوشاں رہو اور (ثواب) موعود کے طلب گار بنو اور جو چیز خود تم پر وارد ہونے والی ہے (یعنی
 موت) اس کے پیش نظر تمہارا افسوس مٹ جانا چاہیے کیونکہ سمجھو کہ وہ اب آئی اور اب آئی“۔

اس خط کی بلندی شان بڑی واضح ہے جو انسان کو موت سے ماورادیکھنے کے لائق بناتی ہے۔

لیکن اس کا اسلوب کسی واعظ خشک کے وعظ کی طرح درد مندی کے احساس سے عاری نہیں بلکہ اس کی عبارت میں اولوالعزمی کا درس درد مندی ہی کے خمیر میں گندھا ہوا ہے۔

مکتوب کی زبان اور اسلوب، ایجاز و اعجاز اور سادگی و پرکاری کے اس مرتبہ عالی پر فائز ہے جسے فصاحت اپنا منہلی اور بلاغت اپنا آئینہ معیار قرار دے سکتی ہے۔ عربیت کا ذوق رکھنے والے دیکھ سکتے ہیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے جملے کتنے بڑے بڑے مطالب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں اور کیسے موتی سے الفاظ کس خوبصورتی اور سلیقے سے عبارت میں جڑے ہیں۔ سادہ مگر پر مغز، سہل مگر متمتع۔ کسی اور زبان میں کیونکر سمجھایا جائے کہ ”افترض علينا الشکر اذا اعطی والصبر اذا ابتلی“ میں جو امع الکلم کی شانِ جامعیت کس طرح آشکار ہے اور ”ولینذهب أسفک ما هو نازل بک و کأن قد“ کے گنے چنے الفاظ میں کتنے تہ بہ تہ معانی کس قدر بھرپور تاثر کے ساتھ گندھے ہوئے ہیں۔

جاخظ نے البیان والتبیین میں فصاحتِ نبوی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بجاطور پر لکھا ہے:

”و أنا أذكر بعد هذا فنا آخر من كلامه (ص) و هو الكلام الذي قل عدد

حروفه و كثر عدد معانيه و جل عن الصنعة و نزه عن التكلف و كان ، كما

قال الله تبارك و تعالیٰ قل يا محمد ”وما أنا من المتكلمين“ (۱۲)

”اس کے بعد میں حضور ﷺ کے کلام کے ایک اور اسلوب کا ذکر کرتا ہوں یہ وہ کلام ہے

جس کے حروف کی تعداد بہت کم اور معانی کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ یہ تصنع سے بری ہے

اور تکلف سے پاک۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس قول کے عین مطابق کہ اے محمد کہہ دو کہ

(ما أنا من المتكلمين) (۱۳) (میں تکلف اختیار کرنے والوں میں سے نہیں ہوں)۔

بلاغت کی مختصر ترین تعریف، کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا ہے۔ یعنی جہاں اختصار کا

موقع ہو وہاں اختصار سے کام لینا اور جہاں تفصیل کا تقاضا ہو وہاں تفصیل اختیار کرنا۔ تکرار بے سبب

سے طبیعتوں میں اکتاہٹ پیدا نہ کرنا لیکن اگر موقع اور موضوع تکرار ہی کا مطالبہ کرتا ہو تو اس سے گریز

نہ کرنا نیز مخاطب کے مزاج اور اس کی عقلی سطح کے مطابق کلام کرنا۔

مکاتیب نبویؐ بلاغت کے ان معیاروں کے لیے مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر مکتوب مقتضائے حال کے عین مطابق ہے۔ جہاں اختصار کی ضرورت ہے وہاں ایک حرف زائد نہیں مثلاً جب مسیلمہ کذاب نے دعوائے نبوت کیا تو بزرگم خویش، سہیم رسالت ہو کر حضورؐ سے بٹوارہ کرنا چاہا اور لکھا:

”من مسیلمة رسول الله إلى محمد رسول الله

سلام عليك ، أما بعد فاني قد أشركت في الأمر معك وإن لنا نصف

الأرض و لقریش نصف الأرض ولكن قریشا قوم يعتدون“ (۱۴)

”اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف

سلام علیک، ابا بعد واضح ہو کہ مجھے آپ کے ساتھ شریک معاملہ بنا دیا گیا ہے آدھی زمین ہم

دونوں کی ہے اور آدھی قریش کی لیکن قریش اپنی حدود سے تجاوز کرنے والے لوگ ہیں“

مسیلمہ کی اس لٹرائی کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حد درجہ مختصر جواب لکھوایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”من محمد رسول الله إلى مسیلمة الکذاب

سلام علی من اتبع الهدی، أما بعد فان الأرض لله یورثها من یشاء من

عبادہ والعاقبة للمتقین“ (۱۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت

کی پیروی اختیار کی، ابا بعد، واضح ہو کہ زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا

ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام انہی کا اچھا ہوگا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔“

اس مختصر سی تحریر میں سرزنش کا صرف ایک لفظ ہے ”الکذاب“۔ اور وہ بھی اس مناسبت سے

کہ مسیلمہ نے اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھا تھا اور اللہ کے سچے رسول کو اس کی نفی کرنا لازم تھا۔ باقی

سارے مکتوب کی سطح قلمہ کہسار کی طرح بلند ہے جو خاک افگندہ سنگ ریزوں کی سطح پر اتر ہی نہیں سکتا۔ نہ سوال نہ جواب نہ دعویٰ نہ دلیل۔ ایک عمومی پیرایہ بیان ہے اور ایک اصولی بات اور وہ بھی قرآن کے الفاظ میں۔ ما ینطق عن الہوی کے اس عظیم پیکر نے اپنی طرف سے کچھ کہا ہی نہیں۔ لیکن خطاب کیے بغیر ہی میلہ کی یادہ گوئی کا جواب از خود فراہم ہو گیا۔ عدم مخاطب کے ذریعے جواب مسکت کا یہ انداز میلہ کی بے بضاعتی اور بے حیثیتی کا وہ بھرپور تاثر پیدا کرتا ہے جو جواب تلخ سے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ سرزنش کا واحد لفظ ”الکذّاب“ بھی خطاب راست کی صورت میں نہیں بلکہ تعریض غائبانہ کے اسلوب میں ہے۔

اختصار کے موقع پر کمال اختصار کی اس مثال کے پہلو پہ پہلو ان دستاویزوں پر بھی نظر ڈالیے جن میں حضور کی جانب سے کسی معاہدے کی شرطیں لکھوائی گئی ہیں یا مختلف گروہوں کے حقوق و فرائض کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ ان دستاویزوں کی حیثیت چونکہ قانونی ہوتی ہے لہذا ان میں بلاغت کا تقاضا مزو کنا یہ نہیں بلکہ وضوح کامل ہے جس کے لیے بسا اوقات ہر ہر شق میں یکساں الفاظ کی تکرار ضروری ہوتی ہے۔ مدینہ میں قیام پذیر ہو جانے کے بعد آپؐ نے مہاجرین، انصار اور یہود مدینہ کے لیے جو معاشرتی ضوابط وضع فرمائے ان پر مشتمل دستاویز کا ایک حصہ ملاحظہ ہو:

المہاجرین من قریش علی رباعتہم یتعاقلون بینہم و ہم یفدون عانیہم
 بالمعروف و القسط بین المؤمنین و بنو عوف علی رباعتہم یتعاقلون معاقلمہم
 الأولی، و کل طائفۃ تفتدی عانیہا بالمعروف و القسط بین المؤمنین. و بنو ساعدۃ
 علی رباعتہم یتعاقلون معاقلمہم الأولی، و کل طائفۃ منہم تفتدی عانیہا بالمعروف
 و القسط بین المؤمنین، و بنو الحرث علی رباعتہم یتعاقلون معاقلمہم الأولی، و کل
 طائفۃ تفتدی عانیہا بالمعروف و القسط بین المؤمنین. و بنو جشم علی رباعتہم
 یتعاقلون معاقلمہم الأولی، و کل طائفۃ منہم تفتدی عانیہا بالمعروف و القسط

بین المؤمنین (۱۲)

علیٰ ہذا القیاس نوگروہوں کے لیے یکساں احکام اجمالاً بیان کرنے کے بجائے نام بنام تفصیل کے ساتھ دہرائے گئے ہیں کیونکہ عربوں کی قبائلی حمیت کے پیش نظر نیز خود نوعیت کلام کے اعتبار سے مقتضائے حال یہی تھا۔ اس نوع کی دستاویزوں میں حضور کا اپنا نام نامی بھی متکلم کے بجائے بصیغہ غائب لایا گیا ہے۔ جو قانونی نوعیت کے وثائق کے عین حسب حال ہے مثلاً محولہ بالا دستاویز کے جملے دیکھیے:

و انکم مہما اختلفتم فیہ من شئی فان مردہ الی اللہ عزوجل و الی

محمد. (۱۷)

و أنه لا یخرج منهم أحد إلا باذن محمد: (۱۸)

کلام بمقتضائے حال کا ایک اور پہلو مخاطب کی سطح ذہنی کو مد نظر رکھنا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مکاتیب گرامی میں اس پہلو کی بھی پوری پوری رعایت نظر آتی ہے۔ مثلاً جب خطاب کسی ٹھیکے عرب سے ہے تو جزالت الفاظ اور فحامت اسلوب، لغات عرب پر اقتدار کامل کی دلیل بن کر سامنے آتی ہے اور آج نہ صرف اہل عجم کو بلکہ خود عربوں کو بھی ان مکاتیب کا مفہوم تفسیر الغریب کے بغیر سمجھنا محال ہے کیونکہ ان میں خطاب ان عرب العرباء سے تھا جن کا محاورہ روزمرہ اسی سطح کا تھا اور جو حضور ﷺ سے آغاز کلام اسی اسلوب میں کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ضیاء الدین ابن الاثیر نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”المثل السائر“ میں طہفة بن ابی زہیر کا وہ خطاب نقل کیا ہے جو قبیلہ بنو نضد کے نمائندہ کی حیثیت سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ یہ خطاب غراب لغت سے پر ہے۔ پھر اس کے جواب میں آپ نے جو دعا فرمائی نیز جو تحریر بنو نضد کے نام لکھوا کر دی وہ بھی ضیاء الدین ابن الاثیر نے نقل کی ہے جو ٹھیکے عربیت کا پر زور نمونہ ہے۔ (۱۹) بعد ازاں یوں تبصرہ کیا ہے:

و فصاحة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقتضی استعمال هذه الالفاظ و لا تکاد توجد فی کلامه الا جوابا لمن یخاطبه بمثلها کهذا الحدیث و ما جرى مجراه، علیٰ أنه قد کان فی زمنه متدا و لا یبین العرب و لکنه صلی اللہ علیہ وسلم لم

يستعمله إلا يسيراً لانه أعلم بالفصح والأفصح (۲۰)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت ان الفاظ کے استعمال کی متقاضی نہ تھی اور اس طرح کے الفاظ آپ کے کلام میں عموماً اسی وقت پائے جاتے ہیں جب آپ کسی ایسے شخص کو جواب دے رہے ہوں جس نے آپ سے ایسے ہی الفاظ میں خطاب کیا ہو مثلاً یہی گفتگو یا اسی طرح کے دیگر مواقع۔ مزید برآں یہ بھی ہے کہ آپ کے زمانے میں یہی عربوں کا روزمرہ کا معمول تھا لیکن حضور ﷺ نے اس کو کم کم ہی برتا ہے کیونکہ آپ کو خوب علم تھا کہ فصیح کیا ہے اور زیادہ فصیح کیا ہے)

ٹھیکہ عربوں سے اس طرزِ خطاب کے مقابلے میں غیر عرب مخاطبین، جن کو صرف مضمونِ مکتوب کی ترجمانی سے غرض ہے، سے آپ کا خطاب سیدھے سادے انداز میں چند ٹھوس پیغامات پر مشتمل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے نجاشی شاہ حبشہ، ہرقل شاہ روم، کسریٰ شاہ ایران اور مقوقس شاہ مصر کے نام آپ کے نامہ ہائے مبارک جو تقریباً یکساں عبارت پر مشتمل ہیں۔ جہاں جہاں فرق ہے مخاطب کی شخصیت ہی کے حوالے سے ہے مثلاً نجاشی کے نام خط میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسلامی عقیدے کا مختصر لیکن مؤثر بیان جس کے الفاظ یوں مروی ہیں:

”وأشهد ان عيسى بن مريم روح الله و كلمته ألقاها إلى مريم البتول الطيبة
الحصينة، فحملت بعيسى، حملته من روحه ونفخه، كما خلق آدم بيده
ونفخه و إنني أدعوك الى الله وحده لا شريك له“ (۲۱)

”اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم، روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جس کالقاء اللہ نے گوشہ نشین، پاکباز اور عفت مآب مریم پر کیا عیسیٰ نے ان کے لطن میں قرار پکڑا یہ قرار روح الہی اور نفخ الہی کے سبب سے تھا جس طرح آدم کو اللہ نے اپنے ہاتھ اور نفخ سے خلق فرمایا تھا۔ اور میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا ہرگز کوئی شریک نہیں“ یعنی حضرت عیسیٰ و حضرت مریم علیہما السلام کے بارے میں اہل اسلام عزت و احترام کے جو جذبات رکھتے ہیں، نجاشی کے اس وقت کے عقیدے کی مناسبت سے ان کا ذکر فرمایا اور ساتھ ہی

اسلام کو توحید پر جو اصرار ہے اور شرک و تملیت سے جو نفور ہے اس کا اعلان دونوں انداز میں کر دیا۔
تبلیغی خطوط میں آنحضرت ﷺ کا ایک جملہ (اسلم تسلیم) کئی بار استعمال ہوا ہے (۲۲) جو
روح بلاغت اور جان فصاحت ہے۔ کسی قدر مختصر اور کتنا جامع۔ امر اور جواب امر کے ان دو صیغوں کا
لطف اہل ذوق سے مخفی نہیں۔ پھر ”س ل م“ سے ان دونوں کے اشتقاق میں حسن تجانس کی جو کیفیت
اور جو صوتی حسن پایا جاتا ہے، وہ سونے پر سہاگہ ہے۔ دو لفظ کے اس مختصر سے جملے پر آیہ قرآنی ﴿ان
تعودوا نعد﴾ (۲۳) کا جلال و جمال عکس آگن ہے۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے:

حق جلوہ گرز طرز بیان محمد است آری کلام حق بزبان محمد است
آئینہ دار پر تو مہر است ماہتاب شان حق آشکار شان محمد است

اپنی معروضات ختم کرنے سے پیشتر خاتم الانبیاء، حضور اکرم، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کی مہر
مبارک کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جو آپ کے مکاتیب کے محاسن معنوی میں مسک الختام کی حیثیت
رکھتی ہے۔ اس مہر میں نیچے نام نامی ”محمد“ اس کے اوپر منصب گرامی ”رسول“ اور سب سے اوپر
اسم جلال ”اللہ“ کی یہ ترتیب کتنی بامعنی ہے اور حدیث پاک (ادبسی ربی فأحسن تأدیبی)
(میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور کمال خوبی سے سکھایا) کی کیسی منہ بولتی تصویر ہے۔

مکاتیب نبوی، علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، کے ادبی محاسن کا یہ سرسری سا جائزہ کسی طرح
اپنے موضوع کا حق ادا نہیں کرتا۔ مجھے تشنگی کے احساس کے باوجود اسی پر اکتفا کرنا ہے:

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

☆☆☆☆☆☆

حواشی

- ۲- الباقانی، ابوبکر، محمد بن الطیب، اعجاز القرآن، تحقیق السید احمد صقر، دارالمعارف، مصر، الطبعة الرابعة، ۱۹۷۷ء، ص ۳۰۳
- ۳- المرزوق، ابوالعباس، محمد بن یزید، الکامل، تحقیق محمد احمد الدالی، بیروت، الطبعة الأولى، ۱۳۰۶ھ/۱۹۸۶ء، جلد اول، ص ۲۵
- ۵- لفظ ”بید“ کے لغت میں تین مفہوم بتائے گئے ہیں:
”غیر“ ”علی“ اور ”من اجل“
- اس حدیث میں پہلے مفہوم کو کھپاتے ہوئے بعض کتب بلاغت میں اسے تاکید المدح ہمیشہ الذم کی ایک مثال تصور کیا گیا ہے (مثلاً دیکھیے، علی الجارم و مصطفیٰ امین، البلاغۃ الواضحة، للمدرس الثاویث، دارالمعارف مصر، ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء، ص ۲۹۲) تاہم راقم کے ذاتی ذوق کے مطابق تیسرا مفہوم اس سیاق میں مناسب ترین معلوم ہوتا ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ زبیدی نے یہ مفہوم ابن ہشام کے حوالے سے درج کر کے لکھا ہے کہ ابن ہشام نے اس مفہوم کی مثال کے طور پر یہی حدیث نقل کی (دیکھیے تاج العروس، ”بید“)
- ۶- الجاحظ، ابوعثمان، عمرو بن بحر، البیان والتبيين، تحقیق فوزی عطوی، بیروت، ۱۹۶۸ء، ص ۲۲۰
- ۷- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اللہ کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی، جنوری ۱۹۸۰ء، ص ۱۲۳
- ۸- رسالہ ”نقوش رسول تبر“، ادارہ فروغ اردو، لاہور، شمارہ ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۲ء، جلد دوم، ص ۲۰۹
- ۹- مولانا سید محبوب رضوی، مکتوبات نبوی، ادارہ اسلامیات، لاہور، اشاعت اول، مئی ۱۹۷۸ء، ص ۳۰
- ۱۰- دیکھیے، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۳۲-۱۳۳، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۷۶
- ”رسالة النبی الکریم الی ہرقل ملک الروم“، السھیلة الجوری، مع انگریزی ترجمہ، رسالہ:
- Hamdard Islamicus, vol-I, Number 3/winter 1978, pp,415-49
- ۱۱- احمد زکی صفوت، جھرة رسائل العرب.....، المکتبة العلمیة، بیروت، ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء، جلد اول، ص ۶۷-۶۸
- ۱۲- البیان والتبيين، ص ۲۲۱
- ۱۳- قرآن مجید، ۸۶/۳۸
- ۱۴- جھرة رسائل العرب، ص ۶۸

۱۵۔ حوالہ سابقہ۔ واضح رہے کہ اس نامہ مبارک کے بیشتر الفاظ قرآن مجید، ۲۰/۴۷، اور ۱۲۸/۷ سے ماخوذ ہیں۔

۱۶۔ تھمرۃ رسائل العرب، ص ۳۱-۳۲

۱۷۔ ایضاً ص ۳۳

۱۸۔ ایضاً ص ۳۴

۱۹۔ ابن الأثیر، ضیاء الدین، نصر اللہ بن محمد، النخل السائر فی أدب الکاتب والشاعر، المطبعة البھیة، مصر،

۱۳۱۲ھ، ص ۶۳

۲۰۔ حوالہ سابقہ

۲۱۔ تھمرۃ رسائل العرب، ص ۴۱

۲۲۔ دیکھیے مکتوب بنام ہرقل، کسریٰ، مقوقس، ہوڈہ بن علی، تھمرۃ رسائل العرب، ص ۳۸، ۴۰، ۴۲، ۴۸،

۲۳۔ قرآن مجید، ۱۹/۸؛ مکتوب بنام جنیر اور عبد (ص ۵۰) میں بصیغہ تشبیہ، ”أسلما تسلما“ آیا ہے۔

مزید مطالعے کے لیے:

سیارہ ڈائجسٹ، رسول نمبر، جلد دوم ”مکاتیب رسالت سلاطین عصر کے نام“ از محمود فاروقی، ص ۸۳-۱۱۴

ایضاً ”مکاتیب رسالت رؤسائے عرب کے نام“ از محمود فاروقی، ص ۱۱۵-۱۲۸

مکاتیب النبیؐ از ابو جعفر الدیبلی

رسالات نبویہ از صاحبزادہ عبدالمعتم

إعلام السالکین از ابن طولون

بلاغ مبین از مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی

پھر کیا مدینہ میں جو پایہ تخت قائم ہوا وہاں منبر کی جگہ تخت بچھایا گیا؟ وہی منبر ہے، وہی مسجد ہے، وہی جھونپڑے ہیں، وہی چڑے کا اکہرا گدا ہے۔ نہ حاجب ہیں، نہ دربان ہیں۔ امیر بھی آتے ہیں۔۔۔۔ اور غریب بھی آتے ہیں دونوں کے ساتھ ایک معاملہ ہے۔ عجب دربار!

سلاطین کہتے ہیں۔۔۔ شاہی دربار تھا، کہ فوج تھی، علم تھا پولیس تھی، جلا دتھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے، ضبط تھا، قانون تھا۔

مولوی کہتے ہیں۔۔۔ مدرسہ تھا کہ درس تھا، وعظ تھا، افتاء تھا، نصیحت تھی، تالیف تھی، منبر تھا۔

صوفی کہتے ہیں۔۔۔ خانقاہ تھی۔

کہ دعائیں، جھاڑتھا پھونک تھا، ورد تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا، گریہ تھا، بکا تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی۔

مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا۔۔۔ اس لیے کہ وہ سب کے لئے آیا تھا۔ جس کسی کو چلنا تھا، جہاں کہیں چلنا تھا، جس زمانہ میں چلنا تھا، اسی روشنی میں چلنا تھا۔

(النبی القاتم از مناظر احسن گیلانی)